ڈاکٹر نکلسن

از پروفیسر ڈاکٹر اے جی آربری و پروفیسر ڈاکٹر سید اظہر علی صاحب دہلی یونیورسٹی

مستشرق شہیر فقید ری نولڈ ایلین نکلسن سابق پروفیسر عربی کیمبرج یونیورسٹی ان معدودے چند منتخب ہستیوں میں سے تھے جنھوں نے اپنی زندگی اسلامی فلسفہ وعلوم بالخصوص تصوف کے مطالعہ اور خدمت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ گذشتہ اگست میں وہ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

چونکہ راقم کو ان سے ایک علاقہ روحانی اور ان کی شاگردی کا فخر رہ چکا ہے، اس لئے موجودہ مختصر مقالہ میں ان کے سوانح زندگی قلمبند کرکے بظاہر اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ گو یہ فرض ایسا ہے کہ اس سے سبکدوش ہونا معلوم۔ اس مختصر مقالہ کا ابتدائی حصہ میرے عزیز اور فاضل دوست اے۔ جے۔ آربری، ایم اے، لٹ ڈی، نائب مدیر کتاب خانہ انڈیا آفس کے قلم سے فارسی زبان میں روزگار نو جلد ۳ شمارہ ۲ میں ۱۹۴۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے بعد میں نے بعض اپنے مشاہدات بھی قلمبند کئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ میں نے اس مقالہ کی تحریر میں اپنے عزیز دوست کو بھی شریک کیا ہے ورنہ میرے نزدیک یہ بات انصاف سے بعید تھی کہ اپنے مضمون کی بنیاد تو ڈاکٹر آربری کے مضمون کو بتاؤں خود اس کا مصنف بنوں۔

ری نولڈ ایلین نکلسن کی ولادت ۱۹ اگست سنہ ۱۸۶۸ میلادی کو ہوئی۔ ان کے والد ہنری نکلسن تاریخ طبیعی کے ماہر تھے، اور یکے بعد دیگرے اسکاٹ لینڈ کی تین مختلف یونیورسٹیوں میں کرسی فضیلت پر جلوہ افروز ہوئے، ان کے دادا بھی اپنے زمانے کے جید عالم اور کامل زبان داں سمجھے جاتے تھے، عربی زبان کے متعلق انھوں نے تحقیقات عمیق کی، خوش قسمتی سے ڈاکٹر نکلسن کو اوائل عمر میں ان کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ اور یہی امران کے السنۂ شرقیہ کے ذوق کا مورث بنا۔ ڈاکٹر نکلسن ابتدا میں

سکاٹ لینڈ کی ایبرڈین یونیورسٹی میں داخل ہوئے اور وہاں سے ادبیاتِ قدیم یعنی یونانی اور لاطینی کے مطالعہ سے فراغ حاصل کر کے کیمبرج تشریف لائے اور وہاں کے مشہور کالج ٹرینیٹی کالج میں داخل ہوئے اور ادبیات قدیمہ شرقیہ کے مطالعہ اور امتحانات میں امتیاز حاصل کیا، تعلیم سے فارغ ہو کر آپ سے اپنی زندگی عربی فارسی کے مطالعہ اور تعلیم و تعلم کے لئے وقف کر دی، جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے ان زبانوں کے مطالعہ کا ذوق ابتدا سے دامنگیر ہو چکا تھا، اور آپ نے اپنی ذاتی جدوجہد اور مثال سے اس مصرعہ کو سچ کر دکھایا کہ ع

باشیر در درون شد و باجان بدر شود

کیمبرج میں ڈاکٹر نکلسن کو ایسے فاضل اور جید مستشرقین کی صحبت ملی جن کے شغف کی مثالیں بیرونی ممالک میں کم نظر آتی ہیں۔ مثلاً[1] آپ کے اساتذہ میں میرے نزدیک سب سے مقدم مستشرق شہیر فقید اے، اے، بیون ہیں جن کے سامنے میں نے بھی کچھ عرصہ زانوئے ادب تہ کیا، پروفیسر بیون عربی کے ایسے شیدا تھے کہ آخر عمر بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ مرتے دم تک اس زبان کی تعلیم کو اپنی زندگی کا مقصد اہم شمار کرتے رہے یونیورسٹی کے قواعد کی پابندی کی بنا پر آپ رسمی ملازمت سے سبکدوش ہونے پر بھی کیمبرج ہی مقیم رہے۔ چونکہ ذاتی اثاثہ بھی رکھتے تھے، اس لئے اپنے شوق کو پورا کرنے کی نیت سے ٹرینیٹی کالج کے ارباب حل و عقد کی درخواست پر آپ برابر عربی کا درس دیتے رہے اور کبھی کیمبرج سے باہر جانے کا خیال بھی نہ کیا، میرا ذاتی اندازہ پروفیسر بیون کے متعلق یہ ہے کہ وہ پرانی وضع کے استاد تھے، مزاج میں شاید کسی قدر استبداد بھی تھا بایں ہمہ آپ کے فضل و دانش کی اس سے زبردست اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ آپ صحیح معنی میں اکثر مشہور مستشرقین کے تربیت کرنے والے یا جگت استاد تھے، جن میں پروفیسر براؤن آنجہانی اور ڈاکٹر نکلسن اور میرے عزیز دوست ڈاکٹر آربری بھی شامل ہیں۔

مگر ڈاکٹر نکلسن کے ذوق کو بھڑکانے والے پروفیسر براؤن تھے، یہ خود ایک ایسی جذاب ہستی تھے کہ جو ایک بار ان کے اثر کے تحت میں آجاتا تھا مدت العمران کو نہیں بھولتا تھا بلکہ ان کا ادب اور احترام اسی طور پر

---

[1] یہ جزو ڈاکٹر آربری کے مضمون میں نہیں ہے۔

[دا]منگیر ہوجاتا تھا، چنانچہ یہی حال ڈاکٹر نکلسن کا تھا کہ پینتیس سال براؤن اور ان کا ساتھ رہا اور اس تمام عرصہ [م]یں ادب میں فرق آنا تو درکنار اس میں روز افزوں ترقی ہی ہوتی رہی۔ خود ڈاکٹر نکلسن کا ان کے بارے میں قول ہے کہ میری پہلی ملاقات پروفیسر براؤن سے ۱۸۹۱ء میں ہوئی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ان کی شکل و شباہت، وضع حالت اور شخصیت نے مجھ پر زبردست اثر کیا کیونکہ وہ خود ایک جذبہ سے پُر تھے، میں نے ان کا جو حلیہ یا شخصیت اپنے ذہن میں قرار دی تھی اس سے بالکل مختلف نکلے، قوتِ تعلیم ان کے ضمیر میں اس درجہ سمائی تھی کہ اپنے شاگردوں میں بھی ایک جوش اور ولولہ پیدا کر دیتے تھے، جب دیکھتے تھے کہ معرفت اندوزی کے سوا ان کا دوسرا مقصد نہیں ہے تو ان کی مشکلات کے رفع کرنے اور کام کو آسان بنانے میں دل و جان سے کوشاں ہوتے تھے۔ پروفیسر براؤن عالی صفات سے آراستہ تھے، اگر دنیا کے بڑے بڑے مستشرقین پر نظر ڈالیں تو میرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سب سے بڑی ہستی تھے جنھوں نے اہلِ مشرق کی زندگی، ان کے افکار اور ادبیات کی تحقیق کے لئے اپنے وجود کو سرتاسر وقف کر دیا تھا۔

جب پروفیسر براؤن پر اپنے شاگرد یعنی ڈاکٹر نکلسن کے جوہر کھلے تو طالب علمی کے زمانے ہی سے ہر طرح ان کی امداد پر کمربستہ ہوگئے۔ خود صوفیا کی تصانیف اور افکار کے شائق تھے، ڈاکٹر نکلسن کے ذوقِ تصوف سے ان کو مسرت ہوئی، جب ان کی پہلی تالیف "منتخب اشعار دیوان شمس تبریزی" شائع ہوئی تو پروفیسر براؤن بڑے خوش ہوئے کہ ان کا اندازہ شاگرد کی قابلیت اور لیاقت کے بارے میں غلط نہیں نکلا، یہ کتاب ۱۸۹۸ء میلادی میں طبع ہوئی تھی، اس میں مولانا جلال الدین رومی کے اشعار کا جو انگریزی ترجمہ ہے اس کے متعلق پروفیسر براؤن نے ذیل کے الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا:-

"میں نے مشرقی اشعار کا ترجمہ انگریزی نظم میں ایسا کم دیکھا ہے جو خوبی اور صحت کے اعتبار سے نکلسن کے ترجمہ سے لگا کھا سکے۔ افسوس ہے تو اس بات کا کہ طباعت کے لئے نسخہ کا تیار کرنا، پروف کا صحیح کرنا، بے معنی جلسوں کی حاضری بہ ایسے جھمیلے ہیں کہ ان کے پیچھے وہ یعنی ڈاکٹر نکلسن اور ہم جیسے بہتیروں کو وقت نہیں ملتا کہ جن مناسب ترین راستوں پر چلنے کے ہم خود آرزومند ہیں ان پر چلیں بلکہ ہمارا کام تو اکثر یہی رہتا ہے کہ مطالب معلومہ اور مبرہنہ کی تشریح یونیورسٹی کے لئے کرتے رہیں جو ہر چند کے

دقیق نکتوں اور جزئیات کے معلوم کرنے کی حریص ہے۔

ان الفاظ کو غور سے دیکھا جائے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ان کو قلمبند کر کے پروفیسر براؤن نے ان میں ایک ایسا صحیح اشارہ پوشیدہ رکھا ہے جو السنۂ شرقیہ کی تحقیق اور تفتیش کرنے والوں کے لئے سالہا سال تک رہنمائی کا کام دے گا۔ ابھی بہت اہم ادبی تصانیف ہیں علی الخصوص فارسی مخطوطات جو طبع ہونے کی محتاج ہیں اور ایسے فاضل بھی ہیں جو ان آثار ادبیہ کی تشریح تفسیر اور تبیین کو دوسرے کام پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے وہ خواہ مخواہ مجبور ہیں کہ ایسے نسخوں کی طباعت اور نشر کا انتظام بھی اپنے ذمہ واجب جانیں اور نظرِ انصاف سے دیکھا جائے تو کم ایسے نکلیں گے جنھوں نے ڈاکٹر نکلسن کی طرح بے غرض اور ذاتی مقاصد کو بالائے طاق رکھ کر یہ زحمت گوارا فرمائی ہو۔ ایسے کاموں کی زحمت کا صلہ کچھ شہرت سمجھ لیجئے یا کسی قدر مالی منفعت جو اس طرح کی زحمت اٹھائے ممکن ہے کہ اس کو صلہ دیر میں ملے لیکن یہ صلہ ناول نویس یا آسان رسالوں اور مقالوں کے مصنفوں کے صلہ سے کہیں زیادہ پائیدار ہوتا ہے جو نسلیں ابھی وجود میں نہیں آئیں وہ اڈورڈ براؤن اور نکلسن جیسے فاضلوں کی تصانیف کو سراہینگی کیونکہ ایسے علما اور فضلا ذاتی منفعت اور مصلحت کو ترک کر کے اس بات میں کوشاں ہوتے ہیں کہ سابقہ ادبی شاہکاروں کو پردۂ فراموشی سے باہر لائیں اور اس طرح بنی نوعِ انسان کے علم میں اضافہ کریں۔

ڈاکٹر نکلسن کچھ عرصہ لندن یونیورسٹی میں زبانِ فارسی کے استاد رہے لیکن جب ۱۹۰۲ء میلادی میں براؤن کیمبرج یونیورسٹی کی عربی پروفیسری کی کرسی پر رونق افروز ہوئے تو یہ بھی فارسی کے لکچرار کی حیثیت سے وہاں تشریف لے گئے۔ مالی اعتبار سے ڈاکٹر نکلسن کو نقصان تھا مگر ان کی نظر میں دوسری یونیورسٹی کے بیش قرار مشاہرے کا شغل کیمبرج کے اس شغل کے مقابلہ میں ہیچ تھا۔ کیونکہ ان کو تو یہ لو لگی ہوئی تھی کہ کہ استاد کے ساتھ رہ کر تحقیق اور مطالعہ میں مصروف رہیں۔ ۱۹۲۶ء میلادی میں جب براؤن رحلت کر گئے تو ان کی جانشینی کے لئے نکلسن سے بڑھ کر کون ہو سکتا تھا۔ چنانچہ عربی کے پروفیسر بھی منتخب ہوئے اور ۱۹۳۳ء میلادی میں یونیورسٹی کے قواعد کی رو سے ان کے دستکش ہونے کی باری آئی تو ان ہی کے شاگرد سی۔ اے۔ سٹوری ان کے جانشین بنے۔ واضح رہے سٹوری وہی صاحب ہیں جو ایک زمانہ میں علی گڑھ

یم ۔ اے ، اوکالج میں عربی کے پروفیسر تھے ۔ یہاں سے جاکر وہ لندن میں انڈیا آفس لائبریری کے مدیر ان گئے تھے ۔

ڈاکٹر نکلسن کی تالیفات اور تصانیف کی تشریح کے لئے اس مختصر کوچک میں گنجائش بلکہ حق تو یہ ہے کہ ان کا اجمالی تذکرہ بھی ایک امر محال ہے کیونکہ ان کی تعداد کثیر ہے اور ان کے علاوہ سربرآوردہ رسائل اور انجمنوں کے مجموعوں میں ان کے مقالے بے شمار ہیں ۔ اس سے پیشتر رسالہ روزگار نو کی ایک اشاعت میں مولانا روم کی مثنوی معنوی کے عمدہ چھاپے اور ترجمے اور شرح کا ذکر آچکا ہے ۔ اس اہم تالیف پر ڈاکٹر نکلسن نے بیس سال سے زیادہ محنت کی ۔ راقم الحروف جو سالہا سال سے آپ کی دوستی کی نعمت سے بہرہ ور رہا ہے اس بات کا شاہد ہے کہ یہ فاضل بزرگ کم و بیش بیس سال مثنوی کی تصحیح و طبع کے کام میں مصروف رہے اس دوران میں ایسا کم اتفاق ہوا کہ نصف شب کے بعد ڈاکٹر صاحب اپنے کتب خانہ سے ایک گھنٹے سے زیادہ کے لئے باہر تشریف لے جائیں یہ کتاب فضل، تحقیق، کوشش اور کاوش کا (ایسا) شاہکار ہے کہ تنہا شہرت جاوید کا سبب بن سکتی ہے اس کی طباعت، ترجمہ اور شرح و تفسیر پر ڈاکٹر نکلسن کے مہم کام ختم نہیں ہوتے ، ان کے ابتدائی مطبوعات میں حضرت شیخ فریدالدین عطار کی مشہور تالیف تذکرۃ الاولیا ہے ، جس پر انھوں نے کافی محنت کی یوں گنوانے کے لئے ہم دو چار اور اہم مطبوعات کے نام درج کرتے ہیں مثلاً ابوالنصر سراج کی "کتاب اللمعہ" شیخ محی الدین ابن عربی کی ترجمان الاشواق ، ادبیات فارسی سے متعلق ان کی اہم تصنیف "تحقیقات در باب تصوف اسلامی" ایک رسالہ ہے جس کا تعلق حضرت ابوسعید بن ابی الخیر کی ایک تصنیف سے ہے ۔ ان کی دوسری تالیفات "تحقیقات در باب شعر اسلامی" (کیمبرج ۱۹۲۱) عرفاے اسلام (لندن ۱۹۱۴) تاریخ ادبی عرب (چاپ اول ، لندن ، ۱۹۰۷) تصنیف و تالیف کے کام کے ساتھ ساتھ نکلسن اعلیٰ فارسی اور عربی نظم اور نثر کو بھی انگریزی میں ترجمہ کرتے رہتے تھے ، ان میں سے اکثر آپ کی تالیف "شعر و نثر شرقی" (کیمبرج ۱۹۲۲) میں شامل ہیں ۔ یہ تالیف ابوسعید بن ابی الخیر عمعق بخارائی ، انوری ، فریدالدین عطار ، باباکوہی شیرازی ، دقیقی ، فردوسی ، حافظ ، جلال الدین رومی ، کسائی ، جامی ، معزی ، رواکی ، سعدی اور عنصری کے

منظومات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب پر تحسین آمیز تقریظیں شائع ہوئیں اور ان کی اشاعت سے ایران کی ادبی میراث انگریزی لباس میں اہلِ انگلستان کی نظروں میں جلوہ گر ہوئی۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ مجھے اس جید فاضل کی دوستی کا فخر حاصل ہے اور انہی کے طفیل میں ادب فارسی و عربی کے بدائع آثار و افکار سے روشناس ہوا۔ ایام جوانی میں کیمبرج یونیورسٹی میں ان کا شاگرد ہونے کا بھی مجھے فخر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتا ہوں کہ ایسے عالی مقام استاد اور ذوق و شوق والے فاضل سے میں نے عربی فارسی پڑھی جو کچھ میں نے قلمبند کیا ہے وہ سراسر ناکافی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ استاد نکلسن کے فضل و کمال کے مرتبہ کو تھوڑا سا ظاہر کرے اور ان کی تحقیق اور تتبع کے ذوق کو رونما کرے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ چند کلمے اس بزرگ کے حالات اور صفات کے بارے میں بھی تحریر کروں۔

زندوں کی مدح دقت طلب اور دشوار کام ہے کیونکہ اس سے خواہ مخواہ لوگوں کو یہ گمان ہوتا ہے کہ جو شخص مدح کر رہا ہے اس کا کوئی خاص مطلب ہے یا کوئی نفع پیشِ نظر ہے۔ راقم الحروف اپنے آپ کو اس جرم سے بری اور پاک جانتا ہے بلکہ ازراہِ صدق و صفائے کامل اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ یہاں جو کچھ ثبت ہوا وہ حق و حقیقت کی خدمت ہے یا اس نعمت کا شکریہ ہے (جو لطفِ الٰہی سے مجھے حاصل ہوئی) اس کے سوا میرا اور کوئی مقصد نہیں۔

ڈاکٹر نکلسن کی ذات میں انتہائے فضل و کمال کے ساتھ حد درجہ کی سادگی بھی جمع تھی، ان سے ملاقات اور مکالمہ کے دوران میں ان کی جبلی تواضع، انکسار، نیک مردی اور انسانیت کے جوہر ظاہر ہوتے تھے اہلِ انگلستان کم آمیزی اور کنارہ کشی کرنے میں مشہور ہیں، ڈاکٹر نکلسن میں بھی کم و بیش یہ اوصاف تھے مگر حق یہ ہے کہ وہ شرم رو تو تھے مگر جبلاً ایسے نہ تھے کیونکہ ان کی ذات میں مہربانی اور محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جوانی کے زمانے میں نکلسن کو گولف کا صد درجہ شغف اور اس کے ساتھ استادی کا مرتبہ حاصل تھا۔ ورزش کا شوق کونسا انگریز ہے جسے نہیں، چنانچہ اس حیثیت سے یہ باکمال انسانیت کے اس معیار پر پورا اترتا ہے جو انگریزوں میں مروج ہے، مگر ان کے ذاتی جوہر اور صفات پوری تابانی اور درخشندگی کے ساتھ ظاہر ہوتے تھے تو ان کے کتب خانہ

ہیں، یہاں وہ بیٹھتے تھے تو اس شان سے کہ کتابوں میں محصور ہیں پائپ منہ سے لگا ہوا ہے اور قلب وفکر کے اسرار کا چشمہ ہے کہ ابل رہا ہے۔ راقم الحروف نے بارہا کتب خانے میں بیٹھ کر ان کے ساتھ خود ان کی اور اپنی تصانیف کے خاکہ اور موضوع پر بحث کی ہے۔ دوسروں کی تالیفات بھی زیر بحث آئی ہیں اور یہی وہ کتب خانہ ہے جس میں معرفتِ حقیقی کے طریقہ اکتساب کی تہ کو پہنچا اور اس حقیقت سے واقف ہوا کہ وہ ایسی جستجو ہے جس کی انتہا نہیں، جس کی ابتدا جہل ہے۔ جسے انکسار اور فروتنی استقلال بخشتے ہیں جس سے بڑھکر فکر انگیز اور نشاط آور دنیا میں کوئی شے نہیں۔

یہاں تک تو میں نے اپنے عزیز اور فاضل دوست ڈاکٹر آربری کے مقالہ سے استفادہ کیا ہے میری ان کی رائے ڈاکٹر نکلسن کے بارے میں میرے کیمبرج کے دورانِ قیام میں ایک ہی ہوتی تھی، اب بھی میں ان کی تحریر کے حرف حرف سے اتفاق کرتا ہوں اس لئے نہیں کہ (یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا) ڈاکٹر آربری کی بدولت میری کیمبرج کی زندگی ایسی خوشگوار تھی کہ اس کی یاد میرے دل سے کبھی فراموش نہ ہوگی اور اسکی وجہ سے میں ہمیشہ متمنی رہوں گا کہ انھیں ہمراہ لے کر ان کے کالج یعنی پمبروک کالج اور اپنے کالج، کوئینز کالج میں دو چار مرتبہ ضرور چکر لگا آؤں۔ خود ڈاکٹر آربری کا انکسار، ڈاکٹر نکلسن کے انکسار فروتنی اور تواضع کا آئینہ دار ہے۔ السنہ شرقیہ کے مطالعہ سے بہرہ ور ہو کر ان حضرات نے بعض شرقی خصائص کو اپنی ذات کا لازمہ بنا کر ہمارے کلچر سے محبت کا ثبوت دیا ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب میں پہلی مرتبہ پروفیسر براؤن کی خدمت میں ایک روز شام کو حاضر ہوا تو رخصت کے وقت باوجود اپنے علم وفضل اور جگت استاد ہونے کے پروفیسر براؤن آنجہانی از راہ اخلاق میرے ساتھ بطور مشایعت اپنے کمرے کے باہر تک تشریف لائے میرا اصرار تھا کہ وہ یہ زحمت نہ فرمائیں ادہر وہ ہیں کہ برابر میرے ساتھ گام فرسا ہیں۔ جب ان سے رخصت ہوئے تو میں نے ڈاکٹر آربری سے دریافت کیا کہ آیا براؤن صاحب یہی طریقہ سب کے ساتھ سلوک رکھتے ہیں جب میں نے ان سے نفی میں جواب پایا تو مجھے بیحد شرمندگی ہوئی کہ ایسے مسن اور صاحب فضل و کمال بزرگ کو میری وجہ سے یہ زحمت اٹھانی پڑی چنانچہ آئندہ کے لئے میں نے عزم مصمم کر لیا کہ اب پروفیسر صاحب کی خدمت میں ہفتہ یا اتوار کی شام کی حاضری ایک طرح کا ستم ہے جس کا متحمل میں نہیں ہو سکتا۔

مگر یہ بات ہر ہفتہ ڈاکٹر نکلسن سے ظہور میں آتی رہتی تھی کیونکہ میں ان کی خدمت میں ہفتہ میں ایک روز ضرور جاتا تھا اور وہاں ان کو اپنا کام دکھا کر اس پر بحث کر کے جب رخصت ہوتا تھا تو ناممکن تھا کہ وہ مشایعت نہ کریں چنانچہ جب میں اس کا عادی ہو گیا تو اپنی شرمندگی کا احساس بھی رفتہ رفتہ کم ہو گیا، لیکن ایک شرمندگی ہے جو مدت العمر فراموش نہ ہوگی، ایک مرتبہ ڈاکٹر نکلسن نے یونیورسٹی لائبریری سے اپنے نام سے ایک کتاب لے کر مجھے دی، میرے حافظہ نے وہاں جو جو گل کھلائے ان میں ایک یہ شاہکار بھی ہے کہ میں کتاب واپس کرنا بھول گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لائبریری کے قاعدے کے مطابق کتاب لینے والے کو جرمانہ ادا کرنا پڑا۔ جب اس کا علم ہوا تو میں نے ہزار منت سماجت کی اور التماس کیا کہ اب جو تلافی میرے ہاتھ میں ہے اس میں حارج نہ ہوں لیکن ڈاکٹر صاحب نیکی کی پتلے تھے ہرگز رضامند نہ ہوئے کہ جرمانہ کی رقم جو انھوں نے ادا کی تھی قبول کریں۔

بعض لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ وہ کاروبار میں دیانت کو ملحوظ رکھتے ہیں مگر ادبی اور صحافتی امور میں اس کے خلاف ورزی کرنا جائز بلکہ شیر مادر سے بھی زیادہ حلال سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک مستشرق کا مسلک تو یہ تھا کہ ایک دفعہ ان کے ذہن میں ایک خیال آجائے حق و انصاف کو نظرانداز کر کے وہ اس مضبوطی سے اس پر جمتے اور اس کی صحت کے ثبوت بہم پہنچانے میں کوشاں ہوتے تھے کہ بایدوشاید لیکن ڈاکٹر نکلسن کا طریقہ ان سے بالکل مختلف تھا، جس فن یا علم کی شاخ سے وہ ناواقف ہوتے اس کے متعلق کبھی انھوں نے واقفیت کا اظہار نہیں کیا، میں نے جب عبدالرحیم خانخاناں پر مقالہ لکھنے کا فیصلہ ان کی خدمت میں پیش کیا تو انھوں نے صاف صاف کہدیا کہ واقعات اور اعداد و شمار کی صحت کے ذمہ دار تم خود ہوگے، فنی اعتبار سے مدد کرنے کے لئے میں حاضر ہوں۔ معلوم نہیں ان کی نشریات کو کتنے افراد نے غور سے دیکھا ہے کیونکہ ان میں صحت نامہ بھی بالعموم ساتھ لگا رہتا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ جو غلطی کتاب چھپنے کے بعد آخر وقت میں بھی ان کو نظر آگئی، صحت نامہ بنا کر اس میں درج کردی، حقیقت یہ ہے کہ یہی 'صحت' کا جذبہ ہے جس کی بدولت کیمبرج سائنس اور ریاضی کی تعلیم کے لئے مشہور ہے اور یہی 'صحت' ہے جو کیمبرج کے درودیوار سے رونما ہے۔

ڈاکٹر آربری نے ڈاکٹر نکلسن کے ایک وصف پر روشنی نہیں ڈالی، یعنی ان کی مذہبی گفتگو
بحث سے گریز کو واضح نہیں فرمایا۔ میں نے خود اس بات کا احساس کیا اور تصدیق اس کی ڈاکٹر آربری نے
فرمائی۔ اسی طرح کبھی انھوں نے اپنے بچوں کا بھی ذکر نہیں کیا۔ مذہبی گفتگو سے تو وہ ہمیشہ علیحدہ رہتے
تھے لیکن جس بات سے معلومات میں اضافہ ہوتا تھا اس کے پوچھنے میں وہ چنداں تکلف نہیں برتتے تھے،
مگر دریافت کرتے تھے تو حد درجہ جھجک کے ساتھ، چنانچہ ایک مرتبہ تصوف پر گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک ہندوستانی
صاحب نے محض ان کی اطلاع کے لئے ظاہر کر دیا کہ وہ ایک سلسلہ میں منسلک ہیں یہ سن کر ڈاکٹر صاحب
نے بہت بے تابی کے ساتھ جھجک جھجک کر استفسار کیا۔ کہ آپ کے ہاں شغل و تعلیم کیا ہے۔ مگر یہاں
وہ صاحب مجبور تھے بہت تاسف کے ساتھ معذرت کی اور عدم اظہار کی اجازت چاہی چنانچہ معاملہ
رفت گذشت ہو گیا، جہانتک مجھے معلوم ہے ان صاحب اور ڈاکٹر صاحب کے درمیان پھر اس موضوع
پر گفتگو نہیں ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب تو شرم و حیا کے پتلے تھے ہی، ان کی اہلیہ محترمہ اس بات میں ان سے بھی بڑھکر
تھیں، چنانچہ جب کبھی وہ باہر چلتی پھرتی نظر آتی تھیں تو اکثر یہی مشاہدہ میں آتا تھا کہ ان کی نظر زمین پر
گڑی ہوئی ہے۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی پردہ نشین ہندوستانی خاتون ہے جو کسی سخت مجبوری
کے ہاتھوں پردے سے باہر نکل آئی ہے اور اپنے ماحول سے حد درجہ پریشان ہے کسی نے ازراہ اخلاق
سلام بھی کیا تو ادھر سے جواب ندارد۔ بعض لوگ گمان کریں گے کہ متکبر ہوں گی جواب نہیں دیا لیکن
انصاف یہ ہے کہ جو ان سے ملا اور واقف ہو چکا ہے وہ کیسے تکبر کا قائل ہو سکتا ہے اس معاملہ میں
ڈاکٹر نکلسن بھی ان کے قدم بقدم تھے، یا یوں کہئے کہ ان سے بڑھکر لوگ ٹوپی اٹھا کر سلام کرتے ہیں
اور یہ ہیں کہ اپنے خیال میں غرق۔